شفیق الرحمٰن کی نثر نگاری کا فکری وفنی تجزیہ

ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Dr. Muhammad Ijaz Tabassam

Assistant Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

ظلِ ہما

Zill-e-Huma

M.Phil Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Shafiq-ur-Rehman is renowned as humorous writer in the world of literature, with the different diction of pleasant simple and impressive writings. His writings got have the expression of loud laughter but have a very pleasant smile and beauty of lips service. He has extempore smiling impression with quality of romantic expression. His short stories based upon the refraction of Pakistani society decline humanity pains, worries, disappointments, resulted own the defeated, broken love sequence. His art of writing not only produce his dynamic personality but also criticise as sharp style on the trends of the society in his pleasant manners. He explore the natural psychological problems of a person with the help of past memories. He writes on social issues, cultural values and traditions in perspectives of tragedy of human society. But his style of writing is so pleasant that a reader soon come out from atmosphere of worries and disappointments. His writings reflect the tragedy and comedy of a nature and human society, side by side decorated with freshness and pleasantness of life. We can take him as writer of the

people as Nazir Akbar Abadi the poet of common man. In this essay it is described psychological and artistic merits, social and cultural awareness, and human attitude of middle class are being discussed accordingly.(۱)

اُردو ادب کے معروف نثر نگار جنرل شفیق الرحمٰن نے مشرقی پنجاب (بھارت)(۲) میں آنکھ کھولی۔ آپ نے ابتدائی اوراعلیٰ تعلیم بالترتیب بہاول نگر اور لاہور(۳) سے مکمل کی۔ علاوہ ازیں قیامِ پاکستان کے بعد ملازمت(۴) کے مختلف جملہ مراحل طے کرتے ہوئے ستمبر ۱۹۷۹ء کو سرجن ریئر ایڈمرل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور اکادمی ادبیات میں بطور چیئر مین فرائض سرانجام دینے کے بعد ۱۹ مارچ ۲۰۰۰ء کو اسلام آباد میں دارفانی سے کوچ کر گئے۔

اُردو ادب میں یوں تو بہت سے نثر نگار ہیں جنھوں نے اپنے اپنے جوہر دکھائے مگر پاک فوج میں سید ضمیر جعفری، کرنل محمد خان، کرنل اشفاق حسین، صدیق سالک اور جنرل شفیق الرحمٰن مزاح نگاری کے حوالے سے زیادہ معتبر اور مستند حوالہ ہیں۔ شفیق الرحمٰن کو دیگر نثر نگاروں کے مقابلے میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے عملی مذاق سے مزاح میں شگفتہ بیانی کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ عظیم بیگ چغتائی اور شوکت تھانوی اس ضمن میں نمایاں ترین نام ہیں مگر انھوں نے اپنے مخصوص اسلوب اور فکروفن سے ایک الگ راہ متعین کی۔ آپ نے ملازمت کے لیے فوج کا انتخاب کیا، اس کے قواعد وضوابط اور سخت نظم وضبط سے نبردآزما ہوتے ہوئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو کبھی زنگ آلود نہ ہونے دیا اور اپنی شگفتہ بیانی سے اپنے داخلی و داخلی ماحول کو کشتِ زعفران بنائے رکھا۔ شفیق الرحمٰن کی نثر نگاری قارئین ادب کو کھل کر ہنسنے پر مجبور نہیں کرتی لیکن ان کے جملوں کی تازگی اور بھینی بھینی معطر خوشبو بے ساختہ اداس لبوں پر مسکان بکھیر دیتی ہے۔ انھوں نے انسانی سماج کے مضحکہ خیز واقعات سے لے کر اس کے ناگفتہ بہ حقائق تک زندگی کی مختلف ریاضتیں، جوانی کی شوخیوں اور مصروفیتوں کو زینتِ قلم کیا ہے۔ وہ جانوروں اور پرندوں کی نقل وحرکت سے بھی مزاح کشید کرتے ہیں ایسے لگتا ہے وہ پرندوں کی نفسیات کے ماہر ہیں۔ آپ ایک جگہ رقمطراز ہیں:

''کہیں بندوق چلے تو کوے اسے اپنی ذاتی توہین سمجھتے ہیں اور دفعتاً لاکھوں کی تعداد میں کہیں سے آجاتے ہیں۔ اس قدر شور مچتا ہے کہ بندوق چلانے والا مہینوں پچھتا تا رہتا ہے۔''(۵)

عصرِ حاضر میں ان کی تحریریں پڑھ کر غمِ جاناں وغمِ دوراں میں مبتلا قاری بھی وقتی طور پر تفکراتِ زمانہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ کچھ دیر کے لیے کسی اور ہی دنیا کی سیاحت میں مگن ہو جاتا ہے جہاں خوشیاں، آسودگی، اطمینانِ قلب، فرحت، تروتازگی اور ایک شاداں وفرحاں ماحول ہے۔ آپ کی تحریروں کی لطافت اسے اپنے سحر میں جکڑ کر ذہنی اور روحانی مسرت عطا کرتی ہے۔ ان کی شگفتہ بیانی اور مزاحیہ ترفع کی صورت پہلے جملے سے اخیر جملے تک برقرار رہتی ہے جس سے پڑھنے والے کو ذرا برابر اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا بلکہ زیرِ لب مسکراہٹ اس کے اندر مزید تقویت پیدا کرتی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''۱۹۶۰ء میں جوان ہوئے۔ آپ کے شاعر بننے کے متعلق طرح طرح کی افواہیں مشہور ہیں (جن میں سے کچھ تو بالکل غلط ہیں) سنا ہے کہ ۱۹۶۴ء میں کسی لڑکی پر خواہ مخواہ عاشق ہو گئے تھے۔ محبوبہ نے شاعری کی قدیم روایات کو مدِنظر رکھتے ہوئے انھیں خوب ستایا پھر ۱۹۶۵ء میں کہیں غائب ہو گئی۔ محبوبہ کے چلے جانے کے بعد ان کی زندگی بالکل سنسان ہو گئی اور کچھ

بھی نہ رہا— سوائے ان کی بیوی اور پانچ بچوں کے۔''(۶)

کرنیں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ(۷) ہے۔ان کے افسانوں میں نہ صرف پس پردہ ان کی شوخ و چنچل شخصیت جھلکتی نظر آتی ہے بلکہ انھوں نے معاشرت اور ہمارے تہذیبی رویوں پر لطیف پیرائے میں طنز بھی کیا ہے۔ان کے ہاں محبت کی خوبصورتی، رعنائی اور دلکشی کے ساتھ ساتھ ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کہانی ان موضوعات کو اور بھی دلآویز بنا دیتی ہے۔رومان ان کے افسانوں کی خاص خوبی ہے۔ان کی یہ تحریریں فکری وفنی خصائص کی بنا پر افسانوی نثر تو قرار دی جا سکتی ہے مگر پختہ افسانے نہیں۔اس کے باوجود آپ کے ہاں منظر کشی اور واقعات نگاری لا جواب ہوتی ہے۔کچھ افسانے ضرورت سے زیادہ طویل بھی کیے گئے ہیں جس سے بوجھل پن کا احساس ہونے لگتا ہے مگر وہ کہانی کی بنت اس مہارت سے کرتے ہیں کہ اس رومان انگیز فضا میں آگے پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ان کے یہاں کہیں کہیں المیہ تاثر اُبھر کر قاری کے دل کو اپنی گرفت میں کر لیتا ہے۔

حُسن وعشق ان کے افسانوں کا خاص موضوع ہے وہ انتہائی لطیف اور جان گداز انداز میں روحانی مسرت حاصل کرنے کے لیے درد آسا زندگی کی وادی میں شگفتگی کے پھول کھلاتے ہیں۔حُسن کی بے نیازی ہو یا عشق کی جاں گدازی وہ رنج والم کو بھی ہنس کر سہہ جاتے ہیں۔ان کے کرب کے پیچھے بھی اک لطیف سی مسکراہٹ چھپی ہوتی ہے۔اسی مسرت میں زندگی کا سارا حُسن اور زندگی گزارنے کا بامروت سلیقہ بھی ہے۔ان کی اس روحانی مسرت اور بے نیازی کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ شفیق الرحمٰن:

> ''افسانے میں گریز پا مسرت کو پکڑنے اور انسان کی درد آسا زندگی پر شبنم نچھاور کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں حُسن کی بے نیازی لطیف اور عشق کی جاں گدازی لذت آفریں ہے، حاصل وہ روحانی مسرت ہے جو انسان کو زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔کرنیں، پرواز، شگوفے، لہریں، مدوجزر، حماقتیں، پچھتاوے اور مزید حماقتیں ان کے افسانوں کے ایسے مجموعے ہیں جن میں قاری مسرت کے اڑن کھٹولے میں سفر کرتا ہے۔''(۸)

وہ لفظوں کا جال اس خوبصورتی سے بنتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ان کی منظر کشی دل فریب ہوتی ہے جس کے سحر میں کھو جانا ایک فطری عمل ہے۔آپ کے ہاں ماضی کے جھمیلوں میں غمگین روحوں کے ساتھ سسکیاں بھرتی ہوئی زندگی، پرندوں کا نالہ وشیون، درختوں پر چھائی ہوئی خزاں، قدرت کے فطری مناظر اور مردہ پھولوں کی بکھری ہوئی پتیوں کے ساتھ ساتھ، پیلی پیلی دھوپ انسان کو یہ باور کراتی ہے کہ زندگی اور فطرت کے ساتھ اب بھی اس کا مربوط رشتہ ہے۔منظر کشی کا ایک نمونہ دیکھیے:

> ''میں ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے چل رہا تھا۔پودوں کے نیچے پژمردہ پھول پڑتے تھے۔ کچلے ہوئے پتے، سوکھی سوکھی ٹہنیاں ہل رہی تھیں۔مجھے غمگین روحوں کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں دور کوئی پرندہ بڑی دردناک آواز میں نالہ وشیون کر رہا تھا کنج منج درخت کس قدر وحشت ناک دکھائی دے رہے تھے پیلی پیلی دھوپ اور آسمان پر چھائے ہوئے گہرے غبار نے سارا ماحول بے حد غمگین بنا رکھا تھا۔''(۹)

درج بالا اقتباس منظر کشی کا اعلیٰ نمونہ ہے جس سے ایک المیہ تاثر اُبھرتا ہے۔ وہ اپنی کہانی میں ماضی کے دھندلکوں سے یادوں کا ایک انبار کھرید لاتے ہیں۔ ان کی نثر کی خاص خوبی رومانیت ہے لیکن وہ اپنی رومانی انداز کی نثر میں مزاح کے سنہری رنگ بکھیرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں ایک کرب اور جور وستم، دل پر لگے چرکے بھی ہیں اور محبت کی شگفتہ کلیاں بھی۔ انھوں نے اپنی شگفتہ تحریروں سے اُردو ادب میں اپنا مقام اب تک برقرار رکھا ہے۔ بے شک وہ بڑے افسانہ نگار نہیں بن سکے لیکن وہ اب بھی کم یاب خوش طبع لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں انھیں کرشن چندر، منٹو، راجندر سنگھ بیدی، یلدرم اور پریم چند اور دیگر معروف افسانہ نگاروں کے مدمقابل نہیں رکھا جا سکتا مگر ان کے افسانوں میں شوخ رنگوں کی تازگی، واقعاتی شعور اور کہانی کی بنت انھیں ایک بہترین کہانی کار ضرور ثابت کرتی ہے۔ وہ عوام الناس کے لیے تفہیم کی سہولت فراہم کرتے ہیں اور کوئی مزاح نگار نہیں کرتا۔ ان کی نثر کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ وہ واقعات عام زندگی سے تصویر کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ نظیر اکبر آبادی عوامی شاعر ہے تو انھیں عوامی نثر نگار کہنا بے جا نہ ہوگا۔

شگوفے ان کا دوسرا افسانوی مجموعہ (۱۰) ہے جس میں انھوں نے مجموعی طور پر کرداروں کی حماقتوں اور شرارتوں کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ سماج میں موجود دیرینہ مسائل اور تہذیبی اکھاڑ پچھاڑ کو طنز وتضحیک کے انداز مین بیان کرنے کا فن انھیں خوب آتا ہے۔ وہ مضحکہ خیز واقعات اور لطائف سے اپنی تحریر کو معنی خیز بناتے ہیں۔ یقیناً آپ کی نثر قاری کی تفریحِ طبع کے لیے یہ ایک نسخۂ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے:

> ''شفیق الرحمٰن کی تحریروں کا طرۂ امتیاز لطائف اور مضحک واقعات کا تسلسل ہے جس نے ان کی تحریروں کو نہایت دلچسپ اور لائق مطالعہ بنا دیا ہے۔ طنز کا عنصر ان کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی بنا پر انھیں تفریحی ادب کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔'' (۱۱)

لہٰذا تفریحی رنگ ان کی نثر میں جگہ جگہ بکھرا ہوا ملتا ہے۔ وہ زندگی وسماج کے فطری رنگوں کو جب واقعاتِ زمانہ کے ساتھ اپنے بہترین مشاہدے اور جزئیات سے نمایاں کرتے ہیں تو اس پر ہمیں اپنے آس پاس پھیلے حقائق کی صداقت کا گمان ہوا ہے۔ انھوں نے کہاوتوں، مقولوں اور محاورات سے زندگی کی صداقتوں کو نئے مفاہیم دینے کی جسارت کی ہے۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں:

> ''شفیق الرحمٰن کے مزاح کی سب سے خاص بات ان کا زبردست مشاہدہ اور جزئیات بینی ہے۔ جس کے زور پر وہ ہمارے اردگرد پھیلے روایتی حقائق، کہاوتوں، مقولوں اور الفاظ ومحاورات کو ادل بدل کے یا کسی بھی چیز کا دوسرا رُخ پیش کر کے نئے نئے مفاہیم سامنے لاتے ہیں جو ان کی عبارت کو پُر لطف اور شگفتہ بنا دیتے ہیں۔'' (۱۲)

شگوفے میں سادگی اظہار نے ان کی نثر کو جاندار بنا دیا ہے۔ ان کے خیال میں محبت سماجی اونچ نیچ میں کچھ خاص امتیاز نہیں رکھتی۔ ''سماج'' میں انھوں نے نفسیاتی نفسیات کو جھنجھوڑا ہے اور کئی سماجی بُرائیوں خودغرض زندگی، مزدور طبقے کے ساتھ سماجی ناانصافیاں، روپے کی غیر منصفانہ تقسیم، طبقاتی تقسیم، انسانی حسرتوں کے جلتے ہوئے چراغ، ذات پات کا نظام اور کئی سماجی زندگی کے تلخ حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے۔ وہ سماجی بُرائیوں کو انسانی زندگی کے لیے ایک دیمک قرار دیتے ہیں، طنز وتضحیک اور مضحکہ خیز

صورت حال کے ساتھ ساتھ سبق آموز جملے قاری کے دل و دماغ کو ان معاشرتی ناہمواریوں سے آگاہ کرتے ہیں:

''سماج کی کہانیوں میں عموماً ایک مزدور کی محبت کسی امیر لڑکی سے ہو جاتی ہے۔ فریقین مختلف ذات پات کے ہوتے ہیں۔ آنکھ جھپکتے ہی محبت ہو جاتی ہے۔ پریم کی شراب نینوں سے چھلکنے لگتی ہے۔ پریم کے تیر نینوں کو چیر کر دلوں میں کھب جاتے ہیں پھر رسوائی ہوتی ہے۔ اور رسوائی کیا اچھی خاصی پبلسٹی کی جاتی ہے۔''(۱۳)

یہ انھی کا خاصا ہے کہ وہ قاری کو طنز و تضحیک کے انداز میں سماج کے ٹھیکے داروں کو اس مکر و فکر یب اور بغاوت میں ملفوف دنیا سے آ گہی دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسا معالج ہے جو پریشان حال دلوں کے لیے طمانیت اور مزاح کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ایک ماہرِ قلب بھی غم زدہ انسان کو خوشی کے یہ لمحات فراہم نہیں کر سکتا۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں سماجی مسائل اور تہذیبی اقدار و روایات کے مٹنے کا نوحہ اس شگفتگی سے تحریر کرتے ہیں کہ قاری نہ چاہتے ہوئے بھی وقتی طور پر کوہِ غم سے نکل جاتا ہے اور اک نئی توانائی، جذبے اور عزم و استقلال کے ساتھ بڑی پامردی سے حالاتِ زمانہ کے جبر کا مقابلہ کرنے کے لیے پھر سے تلخیِ حالات کے سمندر میں کود پڑتا ہے۔ اگرچہ پطرس بخاری، چراغ حسن حسرت، مرزا فرحت اللہ بیگ، شوکت تھانوی، ابن انشا اور مشتاق احمد یوسفی کی طرح ان کے یہاں فطری رنگ کی کمی ہے۔ ان کے ہاں کردار نگاری کے عمدہ نمونے خال خال دکھائی دیتے ہیں۔ بدی اور شیطان کا کردار ان کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے ذریعے کئی سماجی ناہمواریوں اور تہذیبی بُرائیوں کا انکشاف کیا ہے۔ ان کے ہاں دیگر مزاح نگاروں کی طرح مزاح کی سطح اپنے عروج پر دکھائی نہیں دیتی وہ محض کردار کی شرارتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں جس سے ان کی نثر بھدے پن کا شکار ہو گئی ہے بس اپنے اس کھلنڈرا پن کی وجہ سے خالص مزاح کا اچھا نمونہ نہیں بن سکتی۔ ڈاکٹر وزیر آغا ان کے اس نقص کو الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''علاوہ ازیں ان کے مزاح کی عام سطح بھی بلند نہیں اور مجموعی طور پر اس میں کھلنڈرا پن نظر آتا ہے۔ بعض موقعوں پر انھوں نے کرداروں (مثلاً بدی اور شیطان) سے بھی مزاح کی تخلیق میں مدد لی ہے۔ لیکن وہ کردار کی ناہمواریاں دکھانے کی بجائے محض اس کی شرارتوں پر اکتفا کر بیٹھے ہیں اور اسی لیے کردار سے پیدا ہونے والے مزاح کا بھی اچھا نمونہ پیش نہیں کر سکتے۔''(۱۴)

بہر کیف وہ ایک منفرد مزاح نگار کی حیثیت سے اپنا نام ادبی دنیا میں مستحکم کر چکے ہیں۔ ان کے مزاح کی کڑیاں انسانی تہذیب اور اس کی سماجی و مجلسی زندگی سے خوب ملتی ہے۔ وہ انسانی مسکراہٹوں کے پیچھے چھپے کرب کو تحریف اور لطائف سے خندہ آور بنانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ''کرنیں''، ''شگوفے''، ''حماقتیں'' اور ''پرواز'' میں ان کے نثری جوہر عروج پر دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید ان کے کردار شیطان کو اُردو ادب کے مزاحیہ کرداروں میں اہم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شفیق الرحمٰن اُردو میں تہذیبی مزاح اور مجلسی شائستگی کی مثال ہیں، انھوں نے زندگی کے لطافتوں سے مسکراہٹیں نکھاری ہیں۔ تحریف کو خندہ آور بنانے میں انھیں خداداد ملکہ حاصل ہے۔ کرنیں، شگوفے، حماقتیں اور پرواز ان کے لطافتِ فن کے چند عمدہ نمونے ہیں۔ ان

کے کردار ''شیطان'' کو اُردو مزاحیہ کرداروں میں اہم مقام حاصل ہے۔''(۱۵)

لہریں آپ کی تخلیقی زندگی کا تیسرا ثمر تھا۔(۱۶) آپ کی نثر میں سماج میں غیر متوازن رویوں پر تنقید، زندگی کی تفسیریں، حُسن و عشق کی گھاتیں، چوری چوری کی ملاقاتیں، نفرت و عداوت کے قصے، فوج داری کے قضیے اور پرندوں کے متعلق خوبصورت طنز و مزاح کی چادر میں ملفوف معلومات ملتی ہیں۔ مزید حماقتیں ۱۹۵۰ء کی دہائی میں چھپا۔(۱۷) ملکی پرندے اور دوسرے جانور، ٹیکسلا سے پہلے، ٹیکسلا کے بعد، زنانہ اُردو خط و کتابت اور برساتی اس میں عمدہ تحریریں ہیں۔ جس میں آپ کی نثر نگاری اپنی شگفتگی اور تازگی کے باعث شوخ ادبی رنگوں سے سجی ہوئی ہے۔ ان کے ہاں لااُبالی پن، ذوق کی آسودگی اور ترفع انھیں ایک بڑا مزاح نگار ثابت کرتی ہے۔ وہ مزاج کے لحاظ سے اک فطرتاً مزاح نگار ہی پیدا ہوئے تھے۔ اپنی خوبصورت تحریر ''ملکی پرندے اور دوسرے جانور'' میں انھوں نے بھینس، الو، بلی، بلبل اور کوا کو جس طنزیہ و مزاحیہ انداز میں پیش کیا اس کی مثال لانا مشکل ہے۔ مثلاً بھینس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''بھینس کے بچے شکل وصورت میں ننھیال اور ددھیال دونوں پر جاتے ہیں لہٰذا فریقین ایک دوسرے پر تنقید نہیں کر سکتے۔''(۱۸)

شفیق الرحمٰن کا تعلق راجپوت گھرانے سے تھا۔ زمانے کے سرد و گرم سے شناسائی انھیں خاندان سے ملی تھی، ہجرت کے مسائل اور مشکلات کو انھوں نے قریب سے دیکھا اور اپنے بڑوں سے ساری بپتا سن رکھی تھی۔ وہ بہتر جانتے تھے کہ انسان کس قدر کرب کا شکار ہے ذہنی اذیت، ذہنی پسماندگی، غربت، افلاس، وسائل کی کمی اور غیر منصفانہ تقسیم، عدل و انصاف کا مہیا نہ ہونا اور سسکتی بلکتی انسانیت کا اپنے حقوق کے لیے سڑکوں پر احتجاج کرنا، حکومتِ وقت کے سامنے التجائیں کرنا، ارباب بست و کشاد کا بےحسی کا مظاہرہ کرنا، وہ خواب کہ آزاد وطن میں خوش حال اور پُرامن زندگی کا ماحول میسر ہوگا مگر خوابوں کی تعبیر کا نہ ملنا ایسے حالات میں اکثریت کو یاس و ہراس اور خوف زدگی اور ترسنا کی کی کیفیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ آپ نے مزاح کے پیرائے میں ایک طرف پاک وطن کے حکمرانوں کو جھنجھوڑنے کی بڑی کامیاب سعی کی ہے تو دوسری طرف اہل وطن کے چہروں پر چھائی ہوئی مایوسی کی گرد کو ہٹانے اور مسکان کو بکھیرنے کا سامان مہیا کیا ہے۔ مثلاً یہ دو اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ''مادہ ننھے الوؤں کی بڑی دیکھ بھال کرتی ہے مگر جونہی وہ ذرا بڑے ہوئے اور ان کی شکل اپنے ابا سے ملنے لگتی ہے انھیں باہر نکل دیتی ہے۔''(۱۹)

> ''بلیاں پیار سے پنجے مارتی ہیں اور کبھی چند وجوہات کی بنا پر جنھیں پبلک نہیں سمجھتی کاٹ بھی لیتی ہیں۔ شکر ہے کہ بلی کے کاٹے کا علاج آسان ہے اس کا کاٹا پاگل نہیں ہوتا۔''(۲۰)

ان کا مشاہدہ تیز اور ذہن رسا ہے۔ وہ پرندوں اور جانوروں کی حرکات و سکنات سے حقائق اخذ کرتے ہیں اور اسے فطری مزاح کی شکل میں ڈھال دیتے ہیں۔ شفیق الرحمٰن انسانی نفسیات کے نبض شناس ہیں۔ وہ سوچتے ہیں جب تک روتے بلکتے چہرے شاداں نہیں ہوں گے تو وطنِ عزیز کے لیے کوئی مثبت کارنامہ سرانجام نہیں دے سکیں گے۔ یہ سچ ہے کہ افسردہ اور مایوس قوم کبھی ترقی کی شاہراہیں طے نہیں کر سکتی۔ ان کو ترقی کی شاہراہ پر لے کر چلنے کے لیے حالاتِ زمانہ کو سازگار بنانا اگرچہ نہایت دشوار ہوتا ہے۔ یہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نسل انسانیت کی قدر کرنا سیکھیں۔ یہ فرض ہمارے مزاح نگاروں نے بخوبی ادا کیا ہے۔ ان معصوم اور سادہ لوح لوگوں کو زندگی کے دھارے میں شامل کر کے ان کے رنج والم کو کم کرنے کے لیے قلم کا سہارا لیا

تاکہ وہ ملک وملت کی ترقی، سلامتی اور پُرامن فضا کے لیے اپنا کردار ادا کرسکیں۔

مدوجزر شفیق الرحمٰن کا افسانوی مجموعہ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا جس میں نو افسانے شامل تھے۔ فلیش بیک میں لکھے گئے افسانوں میں وہ ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر انسان کی فطری نفسیات، محبت کے کرب و درد اور دلی کیفیات کو بطریق احسن بیان کرتے ہیں۔ ''محبت'' اور ''مسافر'' اس میں شامل ان کے دو بہترین افسانے ہیں۔ پرواز (۲۱) افسانوں اور مضامین پر مشتمل ان کا تیسرا مجموعہ ہے۔ ان کے افسانوں اور مزاحیہ مضامین میں داستانوی رنگ، ماضی سے وابستگی اور سماج کا کرب طنز وتضحیک کے انداز میں بیان ہوا ہے۔ ''قصہ حاتم طائی بے تصویر'' میں وہ کئی سماجی بُرائیوں اور تہذیبی و مذہبی ناہمواریوں سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔ خلعتِ فاخرہ، حاتم طائی، لاؤلشکر، مسند شاہانہ اور شاہی مہمان خانہ جیسے الفاظ قاری کو داستانوی عہد میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ وہ فنونِ لطیفہ کے شیدائی ہیں۔ ان کے ہاں ماضی کے جھروکوں سے واقعات اور حقائق زمانہ کی ترسیل آبی ریلوں کی طرح ہوتی ہے۔ ہندوستانی سرزمین سے ازلی رشتہ ہونے کی بنا پر یہاں کی تہذیبی تاریخ سے انھیں فطری طور پر لگاؤ ہے۔ مثلاً چندر گپت، علاؤالدین خلجی، شمس الدین التمش، ہارون الرشید، اکبراعظم، موریا خاندان، غوری خاندان، خاندانِ غلاماں، سورج بنسی خاندان کا تذکرہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ قدیم تاریخ ہندو پاک سے زیادہ متاثر تھے:

> ''پیشتر اس کے ہم اکبر کی بیرونی پالیسی پر بحث کریں ہمیں ہنری ہشتم کی خارجی پالیسی اور اشوک کی غیر ملکی پالیسی کو نہیں بھولنا چاہیے جو اس قسم کے حقائق کی شاہد ہیں۔ تعجب ہے کہ بالکل وہی نکتے ہمیں چندر گپت کی اندرونی پالیسی میں ملتے ہیں جو مدتوں پہلے اس عالی دماغ بادشاہ نے سوچے تھے۔ اکبر کی بیرونی پالیسی علاؤالدین خلجی کی مشہور ومعروف اصلاحات پر بھی منطبق ہو جاتی ہے۔ خود شمس الدین التمش نے ایک مرتبہ اسی قسم کے حالات کا اظہار کیا تھا۔ ہمیں شبہ ہے کہ ہارون الرشید کی مشہور پالیسی اور جولیس سیزر کے خود ساختہ قوانین کا اثر اکبراعظم پر پڑا ہے۔ چنانچہ ایک حد تک —— وغیرہ وغیرہ۔'' (۲۲)

وہ ہندوستانی تاریخ وسماج کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اچھی خاصی رائے زنی کرتے نظر آتے ہیں۔ قاری کے چہرے پر مسکراہٹ ان کے طنز وتضحیک کے انداز میں ننھی ننھی پھلجھڑیاں بکھیرنے سے آتی ہے۔ شفیق الرحمٰن کی نثر پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محض تفریح طبع کے لیے اپنے الفاظ کا جادو نہیں جگاتے بلکہ یہ آسودگی طبع کے لیے بھی مفید ہے۔ دراصل وہ اپنے مخصوص انداز میں ۲۰ویں صدی کے سماج پر نہایت مدلل انداز میں رائے زنی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی طربیہ نثر میں ایک حزنیہ لے بھی چھپی ہوئی ہے۔ وہ زندگی کی پُرسوزی کو بھی اپنے طربیہ رنگ کے پہلو بہ پہلو لے کر چلتے ہیں۔ سماجی مسائل، تہذیبی اقدار وروایات کا ملیا میٹ ہونا، سماجی حقائق کا نوحہ اور دیگر عیوبِ زمانہ ان کے قلم کی زینت بنتے ہیں۔ ان کی تحریریں پڑھ کر یہ بخوبی انداز لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک مصلح اور واعظ کا کردار ادا نہیں کرتے بلکہ خالص مزاح نگار کی حیثیت سے زندگی کے تلخ، روشن، رومان انگیز اور حسین پہلوؤں کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ (۲۳) نے اپنی کتاب اُردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر میں انھیں خاص مزاح کا علم بردار قرار دیا ہے۔

ان کے ہاں تفریحی، شگفتگی، لااُبالی پن اور اک مچلتی ہوئی شوخی قاری کے لیے راحتِ جاں ثابت ہوتی ہے۔ انھوں

نے اپنے افسانوں، افسانوی وطر بیہ نثر میں سوز وگداز کو اتنا حاوی نہیں ہونے دیا۔ وہ درحقیقت اپنے افسانوں کے کردار بھی سماج سے منتخب کرتے ہیں۔ زندگی کے حالات وواقعات ہوں یا مسائل زمانہ وہ بڑے نپے تلے الفاظ میں اپنے کلچر کو تہذیبی شعور میں بھگو کر پیش کرتے ہیں۔ شوخی، چلبلا پن، تازگی، ترفع، منظر کشی، محاکات نگاری، الفاظ کا خاص چناؤ، روانی وتسلسل، تحرکِ خیال، ذومعنی الفاظ کا استعمال اور رعایت لفظی ان کی نثری خصوصیات ہیں۔ ان کے ہاں ذومعنی الفاظ اور رعایت لفظی کا استعمال بڑی ادبی معنویت کے ساتھ ہوا۔ لطافت ان کے مزاح کی خاص خوبی ہے۔ عام انشا پردازی میں گویا اک مثلث سے وہ اپنی تخلیق کو معنی خیز بناتے ہیں یعنی ذومعنی الفاظ، رعایت لفظی اور لطافت ان تینوں زاویوں کو وساطت سے انھوں نے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''شفیق الرحمٰن تو بالعموم محض لطافت ہی سے مزاح پیدا کرتے ہیں اور ان کے بعض مضامین تو صرف لطائف ہی سے مرتب ہوئے ہیں۔ عام انشا پردازی میں بھی ذومعنی الفاظ اور رعایت لفظی سے ان کے مزاح کی تخلیق ہوئی ہے۔'' (۲۴)

یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر میں روانی اور تازگی اک نئے تہذیبی شعور اور ان دیکھی دنیا کے در وا کرتی چلی جاتی ہے۔ حماقتیں سات افسانوں، ایک مضمون اور ایک پیروڈی پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں وہ کہیں مضحکہ خیز انداز اپنا لیتے ہیں تو کہیں ماضی کے جھروکوں سے چھن چھن کر آنے والی کرنوں کے سہارے جوانی کی شوخ تصویروں کو بڑی مہارت سے قاری کے سامنے لاتے ہیں۔ لیکن وہ الفاظ کا چناؤ اپنے فکری وفنی شعور کی بدولت جملوں کا ایسا تانا بانا بنتے ہیں کہ اس میں ایک طرف ان کا تہذیبی شعور بھی برقرار رہتا ہے اور دوسری طرف حسِ مزاح بھی:

''جب کبھی زندگی کی تلخیاں سامنے آتی ہیں، کریہہ حقیقتیں حسین ونازک خوابوں کو کچل ڈالتی ہیں تب میں کسی ایسی ہی نیلی جھیل کے کنارے پناہ لیتا ہوں اور زندگی میں ان جھیلوں کا تار بندھا ہوا ہے تا حدِ نگاہ یہ جھیلیں اس طرح چلی گئی ہیں کہ جہاں ایک ختم ہوتی ہے وہاں دوسری شروع ہوتی ہے۔'' (۲۵)

انسانی تماشا (۲۶) یہ جنگِ عظیم دوم کے پس منظر میں لکھے گئے (ناول) کیلی فورنیا کے قصبے اتھیکا کی کہانی ہے۔ جس میں آباد میکالے خاندان اور اس کی مہذب خاتون مسز میتھو میکالے جو خدمتِ خلق اور جذبہ ایثار کی عمدہ مثال ہے۔ جس میں متوسط طبقے کی زندگی کی مشکلات اور سماجی رویوں کو مہارت سے پیش کیا۔ پچھتاوے شفیق الرحمٰن کا ایک اور افسانوی مجموعہ ہے۔ ان کے افسانے پاکستانی سماج کی دُکھی انسانیت کے درد وکرب، مایوسی میں ڈوبی زندگی اور ناکام محبتوں کے عکاس ہیں۔ پچھتاوے میں دو محبت کرنے والوں کی نفسیاتی پیچیدگی، نفسیاتی ہیجان اور جذباتی تعلق کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ کہیں ان کے ہاں محاذ جنگ پر جانے والے سپاہیوں کی دردانگیز رومانی زندگی کی کیفیات ملتی ہیں تو کہیں ان کے افسانہ ''سراب'' میں سچی محبت کو رمزئیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ان کی جذبات نگاری اور کردار نگاری عمدہ ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ سرور لکھتی ہیں:

''افسانہ سراب میں سچی محبت کی تلاش کو سراب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ افسانے کا انداز رمزئیہ ہے۔ راوی کو ایک سیاح کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک خواب راوی کو بار بار یاد آتا ہے۔

اس کی تعبیر افسانے کے اختتام پر ظاہر ہوتی ہے ان تمام افسانوں میں شفیق الرحمٰن نے جذبات نگاری عمدگی سے کی ہے اور ان کی کردار نگاری بھی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔''(۲۷)

ان کی رومانوی نثر میں رومان انگیز محبت کے عہد و پیما، پہاڑی زندگی کے مناظر، تتلیوں کے رنگ، پھولوں کی مہک، دیہاتی زندگی کا خوب صورت منظر، داستانوی رنگ، پنجاب ثقافت کی خوشبو، بھولی بسری یادیں، گاؤں کی مٹی کی باس، برصغیر کلچر میں مشمولہ توہمات، احترامِ انسانیت، آسمان پر پھیلی قوسِ قزح اور معصوم محبت کے جور وستم، ماضی میں محبوب کی رفاقت میں گذرے لمحات، احساسات کی ترجمانی، احساسِ مروت اور فوجی زندگی کی بازگشت بدرجہ اتم موجود رہتی ہے۔ ان کے کئی افسانوں میں جنگ وجدل کا تڑ کا لگا ہوتا ہے۔ گولیوں کی بچھاڑ، تاریخی مقامات کا تذکرہ نہایت خوب صورت انداز، دل کش اور دل آویز یادیں اور ان کا تاریخی شعور کہیں کہیں اپنے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ آثارِ قدیمہ سے وہ بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ جب وہ اندلس، اشبیلیہ، الحمرا اور دیگر تاریخی مقامات مثلاً مقبرہ جہانگیر، نپولین کا مقبرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم مسلمانانِ عرب کے عہد میں موجود ہیں۔ اڈنبرا، ڈنبار، نیو کاسل، فرانس، پیرس، اڈنبرا کے نورک دار مینار مخروطی پہاڑیاں جیسے قرونِ وسطیٰ کا کوئی شہر ہو، مشاہیر عالم کا ذکر بھی ان کی تحریر کو جان دار بنا تا ہے۔

''ان وسیع وادیوں سے گزرتے ہوئے اسے یاد آیا کہ یہ علاقہ کبھی قدیم تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا۔ یہاں شہر آباد تھے۔ انسان کی بنائی ہوئی چیزیں کتنی آسانی سے مٹ جاتی ہیں۔ اس کے چھوڑے ہوئے سارے نشان نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور پھر یہی سنگلاخ چٹانیں اور تپتی ہوئی زمین رہ جاتی ہے۔''(۲۸)

''دجلہ'' شفیق الرحمٰن کا ایک عمدہ سفر نامہ ہے جس میں مصر، یورپ اور عراق کے سفر کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ وہ مصر، جرمنی اور عراق (وادیٔ نیل، وادیٔ دجلہ وفرات، ڈینوب) کی تہذیبی وسماجی زندگی کے مختلف مرقعے پیش کرتے ہوئے ایک افسانہ نگار، مزاح نگار اور سیاح تینوں کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا یہ سفر نامہ سنجیدہ نثر اور مزاح کا بہترین امتزاج ہے۔ انھوں نے شگفتہ واقعات، تاریخی مقامات، مصر، جرمنی اور عراق کی تہذیبی زندگی کے دلچسپ مناظر، سماجی صورت اور دریائے دجلہ کے کنارے اُبھرتی اور نیست و نابود ہوتی انسانی تہذیبوں کی داستان کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ سرور کا کہنا ہے:

''شفیق الرحمٰن کا سفر نامہ ''دجلہ'' مصر، جرمنی اور عراق کے سفر کی روداد ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف کرداروں کے ذریعے جہاں اپنے سفر کے نقوش کو اُجاگر کیا ہے وہاں دریائے دجلہ کے کنارے عروج وزوال سے گزرنے والی تہذیبوں کی کہانی کو بھی بڑے مؤثر پیرائے میں پیش کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ سفر نامہ اپنے شگفتہ اسلوب اور منفرد زاویہ نظر کے باعث جدید سفر نامے کے تناظر میں خاصی اہمیت کا حامل ہے۔''(۲۹)

ان کی نثر سماج اور زندگی کے تلخ حقائق اور بے لگام حسرتوں کی ترجمان ہے۔ اس میں افسانوی رنگ بھی ہے اور حقیقی زندگی کے مختلف پہلو بھی جہاں عرب وعجم کی ہزاروں سال پُرانی انسانی تاریخ ''دجلہ'' میں سماتی نظر آتی ہے۔ وہاں مشاہیر عالم کا

تذکرہ(۳۰) اس سفرنامے کو اور بھی معنی خیز بنا دیتا ہے۔ قاری زندگی کے تلخ ایام سے کنارہ کش ہو کر کچھ دیر کے لیے خود کو اس عہد میں محسوس کر کے تسکین جاں حاصل کرتا ہے اور ہزاروں صدیوں کا فاصلہ لمحے بھر کی مسافت میں طے کر کے انسانی روح اپنے عہد قدیم میں مصروفِ عمل دکھائی دینے لگتی ہے۔ انسانی تاریخ کے بدلتے زاویے، تہذیبی وسماجی رویے اور عروج وزوال سے نبرد آزما ہوتی تہذیبیں گھنگھور بادلوں کی طرح یہاں اپنا عکس جماتی ہیں۔ وہ مسلمانانِ عرب کی جاہ وحشمت کا نقشہ اس طرح سے کھینچتے ہیں:

> ''بغداد کی دھاک دور دور تک بیٹھ چکی تھی۔ یہاں سے حکم نامے جاری ہوتے تھے۔ خطابات عطا ہوتے تھے۔ شمس الدین التمش نے ہندوستان سے اپنا نمائندہ بھیجا اور حکومت کرنے کی اجازت مانگی۔ جب خلیفے نے سیاہ عبا، انگوٹھی اور عصا بھیجے تب التمش نے اپنے نام کے ساتھ سلطان لگانا شروع کیا۔ مملوکوں نے خراسان فتح کیا تو خلیفے نے مبارک باد بھیجی اور یمین الدولہ اور امین الملت کے خطابات عطا فرمائے۔ بعد میں طغرل بیگ کو ملک الشرق والغرب کا اعزاز دیا (لیکن پتہ نہیں پبلک کو کیوں شبہ ہے کہ اعزازات وخطابات محض انگریزوں نے شروع کیے تھے۔ مسلمانوں نے بھی تاج پہنے ہیں لیکن لوگ Crown سے اب تک خفا ہیں)''(۳۱)

ڈاکٹر فوزیہ چودھری نے دجلہ کی تحریروں میں مسکراہٹوں کے عقب میں چھپی دردمندی، کرب وستم سے بھرپور زندگی، تہذیبی اقدار وروایات کے مٹنے کا نوحہ، سماجی ناہمواریوں کا عندیہ اور پُرسوز حسرتوں کو ان کا بہترین وصف قرار دیا ہے۔ جن کو پڑھنے سے زندگی کرنے اور زندہ رہنے اور امتدادِ زمانہ سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ ملتا ہے۔ زندگی کی تمنا، شگفتہ مزاج اور زندہ رہنے کا یہ مخصوص رنگ شفیق الرحمٰن کی نثر کا بنیادی وصف ہے۔(۳۲) ان کی نثر میں فطرت کے مختلف رنگ اپنا عکس بکھیرے انسانی حسرتوں اور پروان چڑھتی محبت کے ترجمان نظر آتے ہیں۔ دریچے انٹرویو، استفسارات وجوابات، تعارف، عکس تعقدیر، کام چور بھوت، کون کیا ہے، دو مزاح نگار، غار کا بت، افواہیں جیسے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ موصوف کا تعلق چکوال (پہاڑی علاقہ) سے تھا۔ ان کے ہاں بھوت پریت جن پریوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ بوڑھے لوگوں نے مختلف کہانیاں اپنے عہد اور علاقے کی تہذیبی زندگی سے منسوب کر رکھی ہوتی ہیں۔ یہی داستانوی رنگ ان کی تحریروں میں بھی شامل ہو گیا ہے۔ ان کے خود ساختہ جملوں میں کہیں کہیں تسلسل کی کمی دکھائی دیتی ہے۔ وہ فطری مزاح کے پیروکار بھی ہیں اور خود ساختہ محبت کے پجاری بھی۔ ماضی کے جھروکوں سے چھن چھن کر آنے والی یادیں ان کے دل وروح کو تسکین عطا کرتی ہیں:

> ''مثلاً بابل ونینوا کے کھنڈرات میں جو انسان نما حیوانوں کے مجسمے ملے ہیں۔ ان کی مونچھیں داڑھیوں سے بھی بڑھی ہوئی ہیں جو محاورے کے سراسر خلاف ہے اور یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ سنجیدہ ہیں یا ہنس رہے ہیں کیوں کہ چہرہ بالوں سے بھرا ہوا ہے۔''(۳۳)

فکر تونسوی، سید ضمیر جعفری اور ابن انشا جیسی معروف ادبی شخصیات پر لکھے گئے خاکے جامع ومضامین ان کی فنی پختگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انھوں نے ہلکے پھلکے طنز کے ساتھ خالص مزاح اور بذلہ سنجی سے ہماری سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے جس میں روایتی حقائق زمانہ، کہاوتوں، مقولوں اور الفاظ ومحاورات کو نئے نئے مفاہیم میں استعمال کر کے نثر کو پُرلطف اور شگفتہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے:

''۱۹۳۸ء میں پہلی مرتبہ گریجویٹ کہلائے ،ساتھ ہی آپ کا کلام ممتاز رسائل میں چھپنے لگا اور لاہور کی مشہور ادبی شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بی اے بننے کے لیے ایف اے ہونا ضروری ہوتا ہے لہٰذا کیمبل پور سے ایف اے کی سند لینی پڑی تھی وہاں بھی کالج میگزین کی ادارت نے پیچھا نہیں چھوڑا (یا ضمیر نے میگزین کا پیچھا نہیں چھوڑا)''(۳۴)

وہ پاک فوج کا ایک ایسا جرنیل ہے جس نے اس سماج میں رہتے ہوئے لوگوں کی رگوں میں پھیلے درد کو سمجھا ان کی کسک کو محسوس کیا، ان کے چہروں، ان کے باطن میں جھانک کر ان کے تہذیبی آشوب کی تشخیص کی اور پھر ایک سچے اور کھرے معالج کا کردار ادا کیا۔ ان پژمردہ چہروں کو خوشیاں فراہم کرنے کے لیے انھوں نے اپنی تخلیقی توانائیاں صرف کیں وہ پاک فوج کا فخر ہیں۔ اگرچہ آج وہ ہم میں نہیں ہیں مگر ان کی شگفتہ نثر ہمارے دلوں پر مسکراہٹ زیرلب بکھیر رہے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ان کی تصنیفات میں کرنیں (۱۹۴۲ء)،شگوفے (۱۹۴۳ء)، لہریں (۱۹۴۳ء)، مد و جزر (۱۹۴۴ء)، پرواز (۱۹۵۴ء)، پچھتاوے (۱۹۴۶ء)، حماقتیں (۱۹۴۷ء)، مزید حماقتیں (۱۹۵۴ء)، جب کہ مشرق وسطٰی کے ملکوں کا ایک سفر نامہ دو جلد (۱۹۸۰ء)، منفرد خاکوں کا مجموعہ دریچے (۱۹۸۹ء) شامل ہیں۔ (تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند، جلد ششم، ص:۱۰۴)

۲۔ صوبہ ہریانہ، ضلع روہتک، قصبہ کلانور، ۹ نومبر ۱۹۲۰ء، رانگڑ راجپوت گھرانا۔

۳۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور

۴۔ انڈین میڈیکل سروس میں ملازمت کا آغاز کیا۔ پاک آرمی میڈیکل کور، بحری فوج (ڈائریکٹر میڈیکل سروسز) اور پاک بحریہ میں بھی آپ نے فرائض سرانجام دیئے۔

۵۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، مزید حماقتیں، لاہور: ماوراء پبلشرز، ۱۹۹۴ء، ص:۱۲۲

۶۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، دریچے، کون کیا ہے، مشمولہ: دریچے، لاہور: ماوراء پبلشرز، اشاعت نومبر ۱۹۹۴ء، ص:۱۰۴

۷۔ شفیق الرحمٰن کا یہ افسانوی مجموعہ شکست، فاسٹ باؤلر، کرنیں، گرمیوں کی چھٹیاں، لیڈی ڈاکٹر، وسعت اور ثروت جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس کا دیباچہ اُردو ادب کی معروف افسانہ نگار حجاب امتیاز علی نے تحریر کیا۔

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم، ۱۹۹۸ء، ص:۴۸۶

۹۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، کرنیں، مشمولہ: کرنیں، لاہور: ماوراء پبلشرز، طبع دوم، ۱۹۹۴ء، ص:۶۶۔۶۵

۱۰۔ شگوفے گیارہ افسانوں پر مشتمل مجموعہ ۱۹۴۳ء میں اشاعت پذیر ہوا جس میں بڑی آپا، دو تارے، نسرین فلاسفر، سماج، ڈرپوک، ساڑھے چھ، یونہی، مشورے، دیکھیے صفحہ فلاں اور شیطان شامل ہیں۔

۱۱۔ محمد زکریا، خواجہ، پروفیسر (مدیر عمومی)، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، اُردو ادب، جلد ششم، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، اشاعت اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص:۱۰۴

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۰۵

۱۳۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، سماج، مشمولہ: شگوفے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص:۶۸۔۶۷

۱۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور: مکتبہ عالیہ، بار یازدہم، ۲۰۰۷ء، ص:۱۹۱

۱۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم ۱۹۹۸ء، ص:۵۸۷

۱۶۔ لہریں بھی چالیس کی دہائی میں شائع ہوا۔ اس میں سات فضا میں ایک ڈراما، ایک پیروڈی اور ایک افسانہ ''زیادتی'' شامل تھا۔

۱۷۔ مزید حماقتیں ۱۹۵۴ء میں منظر عام پر آیا جس میں افسانوی تحریروں کے ساتھ ساتھ پیروڈی بھی شامل تھی۔ تزک نادری، عرف سیاحت نامۂ ہند، یہ ریڈیو روم تھا۔ اس کس دیباچہ شفیق الرحمٰن نے ۱۹۵۳ء میں قیامِ لندن کے دوران لکھا۔

۱۸۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، ملکی پرندے اور دوسرے جانور، مشمولہ: مزید حماقتیں، لاہور: ماوراء پبلشرز، ۱۹۹۴ء، ص:۱۲۶

۱۹۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، مزید حماقتیں، ص:۱۲۹

۲۰۔ ایضاً، ص:۱۳۲

۲۱۔ پرواز اُن کے افسانوں کا مجموعہ ''مجبوریاں''، ''قصہ حاتم طائی بےتصویر''، ''ترپ چال''، ''تحت الشعور اور لاشعور''، ''ہدایت نامہ طلبا''، ''فنِ لطیف''، ''شیطان اور کوہِ ہمالیہ''، ''تکیہ کلام'' اور ''شیطان کی خالہ جان'' جیسے موضوعات شامل ہیں۔

۲۲۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، پرواز، لاہور: ماوراء پبلشرز، طبع دوم ۱۹۹۴ء، ص:۱۰۳

۲۳۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، اُردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۶ء، ص:۳۰۰

۲۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور: مکتبہ عالیہ، بار یازدہم، ۲۰۰۷ء، ص:۱۹۱

۲۵۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، حماقتیں، لاہور: ماوراء پبلشرز، طبع دوم ۱۹۹۲ء، ص:۴۷

۲۶۔ انسانی تماشا ولیم سروین کی معروف کتاب ہیومن کامیڈی کا اُردو ترجمہ تھا جو ۱۹۵۴ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

۲۷۔ طاہرہ سرور، ڈاکٹر، عساکر پاکستان کی ادبی خدمات اُردو نثر میں، لاہور: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۳ء، ص:۳۲۸

۲۸۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، سراب، مشمولہ: پچھتاوے، لاہور: ماوراء پبلشرز، ۱۹۹۶ء، ص:۵۸

۲۹۔ طاہرہ سرور، ڈاکٹر، عساکر پاکستان کی ادبی خدمات اُردو نثر میں، لاہور: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۳ء، ص:۳۲۸

۳۰۔ بوعلی سینا، ابراہیم، شمس الدین التمش، منصور، نپولین، جہانگیر، ابن بطوطہ، مارکو پولو، خالد بن ولید، معتصم باللہ، ساسانی حکمران، اموی خاندان، سکندر، ابراہیم بن سنان، دارا، رستم، ہلاکو خان، فرعونِ مصر، ہارون الرشید، ابن خلدون، طبری، حضرت موسیٰ، شارطین، خلیفہ المتوکل، خسرو اعظم، قیصر و کسریٰ، تراجن، الفارابی، سکندر ثانی، دارا سوئم، چنگیز، مسعودی، البیرونی، البصری، المسعودی، الہندی، البلخی، الاصفہانی، المصری، الخوارزمی اور صلاح الدین ایوبی، ابن جبر وغیرہ

۳۱۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، دجلہ، لاہور: ماوراء پبلشرز، طبع دوم، نومبر ۱۹۹۴ء، ص:۵-۲۷۴

۳۲۔ فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، امام ظرافت، مشمولہ: نقدِ ظرافت، لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص:۹۸

۳۳۔ شفیق الرحمٰن، جنرل، دریچے، ص:۵۳

۳۴۔ ایضاً، ص:۱۳۸

☆......☆......☆